چالیسواں سفر ۔ وینکوور، کینیڈا

مُلک میں تبدیلیاں آ چکی تھیں ۔ مُلک سے ہماری مراد ہے امریکہ میں ۔ صدر کلنٹن کی جگہ اب جارج بش نے لے لی تھی ۔ ہم نے اُن ہی کو ووٹ دیا تھا کہ سارے مسلمانوں کی یہی رائے تھی ۔ جارج بش نے آتے ہی اپنے والدِ محترم کے ادھورے چھوڑے ہوئے کام پورے کرنا شروع کئے تو عراق اور ایران سے تعلقات اچھے ہونے کے بجائے تمام ہی مسلمان ملکوں سے تعلقات خراب ہوتے چلے گئے تھے ۔

ہماری کوشش تو یہی رہتی ہے کہ ہم کربلا اور ایران کی زیارتیں کر لیتے ۔ پاکستان میں رہے تو وہاں پاکستانی پاسپورٹ کی وجہ سے ان ملکوں کا ویزا ناممکنات میں سے رہا ۔ پھر یہ ملک جنگ میں گھرے رہے، اور آٹھ سال تک لڑتے رہے، حتیٰ کے جب امریکہ نے ایران کا ائیر بس طیارہ مار گرایا تو نمعلوم یہ جنگ کیسے بند ہو گئی ۔ ہم سمجھتے تھے کہ امریکہ اور عراق ایک دوسرے کے دوست تھے اور ایران کو مارنے میں شریک تھے، کہ عراق پر امریکہ نے ۱۹۹۱ء میں چڑھائی کر دی ۔ اب ہمارے پاس امریکی پاسپورٹ آیا تو ان دو ملکوں میں جانا تو ناممکن ہی ہو گیا، گو کچھ لوگ چُھپ کے پھر بھی چلے جاتے تھے ۔ اب یورپی اور امریکہ کے سفر اتنے پرکشش بھی نہیں رہے تھے کہ ہر چیز ایک ہی جیسی اور دیکھی بھالی لگنے لگی تھی ۔

پھر بھی جب ہمارے بیٹے شمس اپنے بھانجے جعفر اور بھانجی نادیا کو لے کر وینکوور جانے لگے تو ہم ان سب کے ساتھ ہو لئے ۔ یہ دو دن کا ٹرپ تھا ۔ جمعہ کی شام کو ہم سب نکلے، اور اتوار کی شام کو واپس آئے ۔ ہمیں صرف اپنی بیٹی رعنا اور ان کے شوہر اسد سے ملنے جانا تھا ۔ ہمارے تیسرے بیٹے قمر بھی ان دِنوں

وہیں رہتے تھے، لہذا ان سے اور ان کی بیگم اور بیٹی رِدا سے بھی ملنا تھا۔

یکم/جون ۲۰۰۱ء، بروز جمعہ، ہماری یونائیٹیڈ ائیرلائنز کی پرواز تھی، کہ امریکہ کے اندرونی سفر کے لئے ہمیں یہ ائیرلائنز ہی سب سے زیادہ بہتر لگتی تھی۔ اس مرتبہ شمس نے انٹرنیٹ سے ٹکٹ خریدے تھے۔ ہاتھ میں کچھ نہیں تھا سوائے ایک ای میل کی کاپی کے۔ ہم بھی انٹرنیٹ استعمال تو کرتے ہیں، مجلسیں سنتے ہیں اسی پر، اور کبھی کبھی اپنے بچّوں کے ہاتھ دوسروں کو ای میل بھیجتے ہیں اور منگواتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی الیکٹرانک ٹکٹ پر سفر کر چکے تھے، لیکن اب سلسلہ ہی بدل گیا تھا۔ غرض سان فرانسسکو ائیر پورٹ پہنچے۔ یہاں سے سیعیٹل پہنچے۔ کل دو گھنٹے کی پرواز تھی۔ جہاز بوئنگ ۷۵۷ تھا جو اس وقت کا نیا طیارہ تھا۔ جب سیعیٹل پر اُترے تو وہاں گھنے بادل تھے۔ پائلٹ نے کچھ دیر اوپر چکر مارنے کے بعد اعلان کیا کہ لینڈنگ مکمل طور پر آٹو میٹک ہوگی کیونکہ رنوے پر تقریباً زمین تک کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر پریشانی رہی پھر صبر کر کے بیٹھے۔ یہی ہوا، جہاز کے زمین پر لگنے تک زمین نظر نہیں آئی۔ ہم اس جہاز کو بھی داد دیتے رہے، اور الیکٹرانکس کو بھی۔

سیعیٹل ائیر پورٹ: یونائیٹیڈ ائیرلائنز کا بوئنگ ۷۵۷ طیارہ

سیعیٹل ائیر پورٹ سے شمس نے ایک فورڈ ایکسپیڈیشن گاڑی لی۔ اس کی بھی بکنگ انٹرنیٹ پر ہوئی تھی اور کمپنی کا نام تھا ''ہرٹز''۔ اب ہم تقریباً ۲۰۰ رمیل کا یہ راستہ طے کرنے چلے وینکوور کی طرف۔ یہ فورڈ ایکسپیڈیشن کار تو نہیں تھی بلکہ یہ تھا ایک ٹرک کہ جس کو ایک وین میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ سیٹیں بہت آرام دہ تھیں، ۹ رعدد مسافر آرام سے سما جاتے تھے۔ پھر ہر چیز اس میں بجلی سے چلتی تھی، حتیٰ کے پیچھے ہماری پسنجر سیٹ بھی۔ پتہ بھی نہیں چلا اس سفر کا۔

راستہ انتہائی خوبصورت ہے یہ۔ سیعیٹل سے ہائی وے ۵ لی جو انتہائی سرسبز و شاداب علاقے سے گزرتی ہے۔ پہلے تو سیعیٹل شہر ہی بہت خوبصورت لگا۔ نفیس عمارتیں، جھیلیں، باغات، اور عمدہ سڑکیں تھیں۔

راستے میں شمس نے بوئنگ ایئر کرافٹ فیکٹری دکھائی جہاں کبھی بوئنگ ۷۰۷ ہوائی جہاز بنتے تھے۔ یہاں شمس ۱۹۷۴ء میں ٹریننگ پر آ چکے تھے اور یہیں سے انہوں نے جہاز اڑانے کی تربیت لی تھی۔ وہ ایئر پورٹ بھی نظر آیا جہاں سے بوئنگ کمپنی کے جہاز ٹیسٹ فلائٹ کے لئے اڑتے ہیں۔ تمام راستے، سیدھے ہاتھ پر اونچے پہاڑ تھے، اور الٹے ہاتھ پر کہیں تو جھیلیں نظر آتیں اور کہیں سمندر، بحرِ اوقیانوس نظر آنے لگتا۔ انہی پہاڑوں میں ماؤنٹ رینیئر دیکھا جو ابھی بھی برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ اکثر علاقوں کے نام امریکہ کے اصلی باشندوں کی زبان کے تھے۔ نمعلوم کیوں یہ نام ہمیں ایشیائی ہی لگتے ہیں۔

ہم خدا کی تعریف کرتے ہوئے آگے چلتے رہے۔ سارے راستے بارش ہوتی رہی تھی۔ یہاں بارشیں سال کے ۲۰۰/دن ہوتی ہیں۔ اس خوبصورتی کی یہی قیمت ہے۔ ٹھنڈ بھی بہت تھی۔ جمعہ کی شام کی وجہ سے سڑکوں اور فری وے پر ٹریفک بھی بہت تھا۔ امریکہ کا آخری شہر تھا بلین (Blaine)، جیسے کہ لاہور کا واہگہ بارڈر۔ کینیڈا اور امریکہ کی سرحد پر بمشکل پندرہ سیکنڈ رُکے۔ امریکہ سے نکلنے کو کسی نے نہ روکا، کینیڈا میں پہنچے تو ایک کھوکھے میں سے یہاں کی امیگریشن افسر نے سر نکال کر ہم سب کو دیکھا، شہریت پوچھی، تو شمس نے کہا، ''امریکی''، کہ سارے ہی امریکی پاسپورٹ پر تھے۔ ان صاحبہ نے مزید کوئی سوال کئے بغیر ہمیں اشارے سے جانے کو کہا، اور خود سر جھکا کر کچھ پڑھنے لگیں۔ اس وقت سورج نکل آیا تھا، اور موسم تھوڑا سا گرم ہو گیا تھا۔

بلین، امریکہ کا کینیڈا کے ساتھ بارڈر ۔ امریکی واہگہ

اب امریکی فری وے ۵، کینیڈا میں ۹۹ میں تبدیل ہو گئی۔ سڑکوں کا فرق بہت صاف ظاہر تھا۔ کینیڈا کی سڑکیں بس ایسی ہی سی تھیں۔ راستہ خوبصورت سے مزید خوبصورت ہوا، اور پھر میدان شروع ہو گئے۔ غرض اسی طرح تقریباً شام ۴/بجے وینکوور پہنچ گئے۔ گو کہ ہماری بیٹی رعنا آجکل وینکوور کے نواح میں سرے (Surrey) کے خوبصورت علاقے میں ایک مکان میں رہتی ہیں، وہ ان دنوں ایک اپارٹمنٹ میں رہتی

تھیں جہاں سے انہیں اوران کے شوہر اسد کو اپنے دفتر جانے میں بہت سہولت تھی۔

ہلکی ہلکی بارش دوبارہ شروع ہوگئی تھی۔ ہم نے یہ سارا وقت شام کا اپنے بیٹے، بیٹی، اور بہو اور داماد کے ساتھ گزارا۔ رعنا نے پراٹھے اور کباب بنائے تھے، وہ سب نے کھائے اور دوسری صبح کے لئے تیاری کرنے لگے کہ کہاں کہاں جانا ہے۔ رعنا نے حسبِ معمول، تمام انتظام کر رکھا تھا۔ بچّوں کو رِدا ملی جو ابھی صرف ایک سال کی تھیں۔ یہ ان سے کھیلتے رہے۔

دوسری صبح بچوں کو اُٹھانا مشکل ہوا۔ پھر بھی ہم سب ساڑھے نو بجے گھر کے باہر تھے۔ فورڈ ایکسپیڈیشن بڑی گاڑی تھی۔ اس میں ہم چھ بڑے افراد، اور تین بچّے، نہایت آرام سے سما گئے۔ سب سے پہلے ہم نے شہر کا ایک چکر لگوایا کہ دیکھیں کہ اس کا تجارتی اور رہائشی علاقہ کیسا ہے۔ زیادہ تاریخی شہر نہیں ہے، لہذا یہاں دیکھنے کی کوئی ایسی خاص جگہ نظر نہیں آئی جو کسی تاریخی اہمیت کی بھی حامل ہوتی۔ پھر بھی چھوٹا سا صاف ستھرا شہر ہے جس میں امریکی انداز کی امارت تو نہ تھی، لیکن انگلستانی انداز کی تھوڑی سی جھلک ضرور تھی۔ اگر ہم اسے زیادہ غور سے نہ دیکھیں تو یہی لگے کہ شاید انگلستان کے کسی شہر میں ہوں۔ ویسے بھی ہر سکّہ پر ملکۂ انگلستان کے سر کی تصویر ہوتی تھی۔

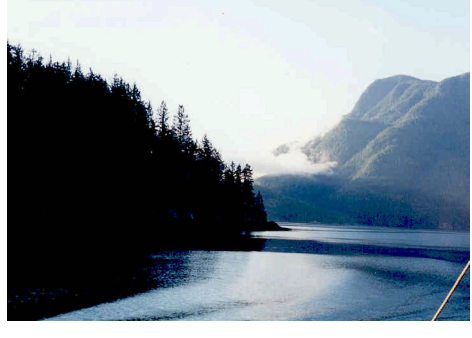

ویکوور ۔ اسٹینلے پارک، خوبصورت جگہ ..... اور ..... بائیں تصویر میں لائنز ماؤنٹین پر جولائی کی برف

تقریباً ۱۲ بجے کے قریب ہم یہاں کے اسٹینلے پارک میں گئے۔ بہت بڑا باغ ہے۔ اس کے اندر کے راستے میں ہم نے دو جگہ کرکٹ کے میچ ہوتے دیکھے۔ کراچی اسٹیڈیم تو نہیں، کراچی جمخانہ یاد آ گیا۔ سب کھلاڑی سفید لباس پہنے کھیل رہے تھے، اور ہلکی بوندا باندی سے زیادہ پریشان نہیں لگ رہے تھے۔ باغ میں

ایک ریستوراں ہے جو ''ٹی ہاؤس'' کہلاتا ہے، ہم سب وہاں اتر گئے، اور شمس کار کھڑی کرنے کے سلسلے میں کافی دیر گھومتے رہے۔ اس باغ میں ہفتے کو بہت لوگ آتے ہیں۔ اسٹینلے پارک رقبہ میں تو بہت بڑا ہے لیکن اس میں کار پارک کرنے کی جگہ نہیں ملتی۔ شمس کافی دور کار کھڑی کرنے کے بعد پیدل چل کر ریستوراں پہنچے تو ہم لوگ کھانا ختم کر چکے تھے۔ انہوں نے بھی کچھ فرنچ فرائز اور کوکا کولا لی۔ ریستوراں جاپانی اور تائیوانی سیاحوں سے بھرا ہوا تھا اور ان کی یہاں کے ریستوراں والے بہت آؤ بھگت کر رہے تھے۔ ویسے بھی یہاں کے لوگ بہت شائستہ محسوس ہوئے۔ کھا پی کر ہم سب پارک دیکھنے نکل گئے۔ جعفر کو ایک دُکان سے ایک ریڈ انڈین چھری کی طرح کی کاغذ کاٹنے کی چُھری دلوائی، اور اسی طرح کی چھوٹی موٹی اور چیزیں خریدیں۔ پھر کچھ فوٹو لئے۔ تھوڑی دیر کو دھوپ نکل آئی تھی اور خوب چکمدار۔

اسٹینلے پارک سے نکلے تو ہم وینکوور کے شمال میں واقع کچھ علاقوں کو دیکھنے چلے۔ یہ علاقہ بھی بے انتہا خوبصورت تھا۔ بارش پھر شروع ہوگئی تھی اور اندھیری گھٹا چھا گئی تھی۔ رعنا بتانے لگیں کہ یہاں بارشیں سیعیٹل سے بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ جاتے وقت ہم یہاں کے لائنز برج سے ہوتے ہوئے نارتھ وینکوور کی طرف گئے تھے۔ الٹے ہاتھ پر پھر بحرِ اوقیانوس تھا، اور دائیں جانب یہاں کا ایسٹ اینڈ تھا کہ جہاں کا چائنا ٹاؤن مشہور ہے۔ زیادہ تر مالدار علاقے اور فیشن کی دُکانیں یہاں سمندر کے کنارے، ویسٹ اینڈ پر ہی تھیں۔ ہمارا وہاں سب سے آخر میں جانے کا پروگرام تھا۔

نارتھ وینکوور میں اہم چیز کیپیلانو سسپینشن برج ہے، اور یا لائنز پیک۔ ہم نے یہ دونوں ہی چیزیں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں دیکھ ڈالیں۔ کچھ فوٹو لئے۔ نارتھ وینکوور کافی مالدار علاقہ محسوس ہوا، یا ہوسکتا ہے کہ ہم اس کے صرف اچھے علاقے سے گزرے ہوں۔ ایک اور چیز یہاں دیکھی وہ تھی یہاں کی اسٹیم انجن والی ٹرین جو نارتھ وینکوور سے اسکوامش نامی ایک جنگل میں جاتی ہے۔ ہم اس ٹرین میں بیٹھے تو نہیں لیکن ایک سڑک پر جب یہ ریل گزر رہی تھی تو ہم اپنی ایکسپیڈیشن میں بیٹھے تھے۔ ٹرین کے سارے بچّے ہمیں ہاتھ ہلا ہلا کر ''ہائے، ہیلو'' کرنے لگے۔ ہم نے بھی جواباً ہاتھ ہلائے۔ ٹرین کا نام رائل ہڈسن اسٹیم ٹرین تھا۔ ٹرین گزرنے کے بعد شمس اور ہماری وین کے مسافروں میں بحث شروع ہوگئی کہ شمس نے ٹرین آتے ہوئے نہیں دیکھی تھی یا نہیں، اور یہ کہ انہوں نے اُس لال بتّی پر دھیان دیا تھا یا نہیں کہ جو سگنل کی حیثیت سے جل بجھ رہی تھی یہ اشارہ دینے

کے لئے کہ ٹرین گزرنے والی ہے۔ یہاں ریلوے کراسنگ پر کوئی گیٹ وغیرہ نہیں تھا، اور عموماً کہیں نہیں ہوتا۔ ہر ریلوے کراسنگ پر آپ کی ذمّہ داری ہے کہ آپ پہلے ریل کی پٹری پر دونوں جانب دیکھیں، اور پھر راستہ صاف دیکھ کر اپنی گاڑی آگے بڑھائیں۔ غرض شمس اور مسافر دونوں اپنی بات پر اڑے رہے۔ ہمیں تو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ کون صحیح تھا کیونکہ ہم تو باہر خدا کی قدرت کے نظّارے دیکھنے میں مصروف تھے۔

ہماری واپسی یہاں کی ہائی وے ۱ سے ہوئی۔ ہم ٹریفک میں پھنس گئے کیونکہ اس کے پل پر کچھ تعمیر ہو رہی تھی۔ بارش نے ٹریفک میں کچھ اور سستی کر دی تھی۔ شام ۵ بجے کے بعد ہم یہاں کے ویسٹ اینڈ پہنچے۔ سب سے پہلے یہاں کے شاپنگ سنٹر دیکھنا ضروری تھے، سو اُن میں سے ایک دیکھا۔ یہاں پارکنگ لاٹ میں گاڑی الٹی چلاتے ہوئے (ریورس گیئر میں) اندازہ ہوا کہ یہ فورڈ گاڑی بتا دیتی ہے اگر یہ کسی دیوار یا دوسری کار کے قریب آ جائے۔ یہ فورڈ گاڑی بڑی تھی اور پورے دن ڈرائیونگ ہوئی تھی، جس سے شمس شاید تھکے ہوئے تھے، لہذا دو بار سیٹی سی بجی۔ اس خوبی سے فائدہ ہوا، ورنہ گاڑی ضرور لگتی۔ شمس مُصر رہے کہ یہ گاڑی روک ہی رہے تھے اور ٹکر کا کوئی امکان ہی نہیں تھا، لیکن کوئی بھی یہ دعویٰ ماننے کو تیار نہ ہوا۔

یہیں کیٹیلا نو کے علاقے میں سڑکوں کے کنارے فٹ پاتھ پر ریستوراں کی طرف سے کرسیاں اور میزیں پڑی تھیں۔ ایسے ریستوراں یہاں گرمیوں میں مقبول ہوتے ہیں اور اس دن بھی اکثر نوجوان ہی یہاں بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ انہی میں سے ایک ریستوراں میں کافی پی۔ پھر یہاں کی مغربی مرین ڈرائیو پر گئے۔ اتر کر وینیئر پارک میں کچھ تصویریں اتروائیں، ٹانگیں سیدھی کیں اور پھر کار میں واپس آ بیٹھے۔ یہاں زیادہ تر اپارٹمنٹ کی عمارتیں تھیں، کچھ چھوٹے چھوٹے گھر بھی تھے۔

ہمارا تیسرا اور آخری دن بہت چھوٹا تھا یہاں پر۔ صبح کو شمس اور قمر مل کر کچھ خریداری کے لئے نکل گئے۔ ہم نے رعنا، اور قمر کی دلہن مہر سے باتیں جاری رکھیں۔ دوپہر ۱ بجے ہم لوگ واپس نکل کھڑے ہوئے۔ تقریباً ۳۰ منٹ بعد ہم امریکہ میں تھے، اور ڈھائی گھنٹے بعد ہم سیعیٹل کے ائیر پورٹ پر تھے۔ شمس ہم سب کو ائیر پورٹ ٹرمینل پر اتار کر خود کار واپس کرنے گئے۔ پھر ہمارے لئے وہیل چیئر کا انتظام ہوا۔ ہم نے یہ دیکھا تھا کہ سعودی عرب میں ہم جب بھی ائیر پورٹ پر پہنچے، ہم کو وہیل چیئر پہلے ہی سے تیار ملی۔ یہاں ہم نے مکمل بُکنگ کروائی تھی، تب بھی وہیل چیئر ہمیں ہمیشہ مانگنا ہی پڑتی تھی۔

وینکوور سے سیعیٹل کے دو گھنٹے کی ڈرائیو کے دوران ہم جعفر اور نادیا کو اپنے ہاتھی اور بائیسکل کے سفر کے بارے میں بتاتے رہے۔ اونٹ کے سفر تو انہوں نے سعودی عرب میں دیکھ ہی لئے تھے۔ لیکن انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ لوگ پالکیوں میں بھی سفر کرتے تھے، دوسروں کے کندھے پر چڑھ کر۔ پھر یہ بچّے گھوڑے گاڑی کے بارے میں تو انگریزی فلموں میں دیکھتے رہتے تھے، لیکن یہ بیل گاڑی اور رَتھ کیا ہوتے ہیں، یہی سوال کرتے رہے۔ اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ جب ۲۰۶۰ء میں یہ بچے ہماری عمر کے ہوں گے تو سواریاں کس طرح کی شکل کی ہوں گی، کہ ہوسکتا ہے کہ آج کی یہ جدید فورڈ ایکسپیڈیشن گاڑی اس زمانے کے لوگوں کے لئے رَتھ اور پالکی کے برابر ہو۔ یا یہ کہ نادیہ کے نواسے نواسیاں پوچھیں کہ سفر کے لئے پہیّوں کی کیا ضرورت تھی۔

ہم اِنہی خیالوں کے تانے بانے بنتے ہوئے رات کے ۹ بجے سان فرانسسکو پہنچے جہاں اعجاز ہمیں لینے کے لئے پہلے ہی سے ائیر پورٹ پر موجود تھے۔

اطوار آج سارے زمانے کے اور ہیں
پھر منزلوں سے دُور ہٹانے کے طور ہیں
ہوتی نہیں ہے ختم کبھی داستانِ دل
کچھ باب رقم کر دیئے، کچھ زیرِ غور ہیں

بیگم سلطانہ ذاکر آدا

مورخہ ۴ جولائی ۲۰۰۱ء

اَلسوبرانٹے، کیلیفورنیا، یو ایس اے

÷÷÷÷ تمام ÷÷÷÷